accountabilitylab PAKISTAN

پاکستان میں سماجی اداروں کی بحالی میں تکنیکی قانونی چارہ جوئی کا کردار

پالیسی رپورٹ

فہرست

خلاصہ 3

پاکستان میں سول سوسائٹی (شہری اداروں) کو درپیش چیلنجز کا ایک جائزہ 4

پاکستان میں شہری اور انسانی حقوق کے فروغ کے لیے اسٹریٹیجک قانونی چارہ جوئی اور اس کا استعمال 4

تکنیکی قانونی چارہ جوئی کیوں؟ 5

اسٹیک ہولڈرز کا تجزیہ 5

تکنیکی قانونی چارہ جوئی کی تاریخ اور سول سوسائٹی اور سیاسی جماعتوں کے ذریعہ اس کا استعمال 6

اسٹریٹیجک قانونی چارہ جوئی کے لیے دستیاب قوانین اور فورم 8

سکڑتی ہوئی سماجی آزادی کے خلاف اجتماعی مزاحمت کے لیے کرنے کے کام 10

خُلاصہ

پاکستان کی سول سوسائٹی کو حالیہ برسوں کے دوران اپنے کام کے دوران مشکلات کا سامنا کرناپڑاہے اوراسے سماجی آزادی کو برقرار رکھنے میں رکاوٹیں برداشت کرناپڑی ہیں۔ سماجی آزادی سکڑنے کا یہ سلسلہ محدود ریگولیٹری ماحول، من مانی انتظامی کارروائیوں اور سخت ماحول کی وجہ سے بڑھ گیاہے۔ ڈونرز کی فنڈنگ پر بہت سی سول سوسائٹی تنظیموں کے روایتی انحصار نے جانچ پڑتال اور ریگولیٹری چیلنجز کو بڑھادیاہے، جس سے سول سوئٹی کے اداروں کی مؤثر طریقے سے کام کرنے کی صلاحیت کو نقصان پہنچاہے۔ مزید برآں، مین اسٹریم اور سوشل میڈیا پر پابندیوں کے ساتھ ساتھ صحافیوں، وکلاءاور سول سوسائٹی کے دیگر نمائندوں کے درمیان بڑھتی ہوئی سیلف سنسرشپ نے سماجی آزادی کو مزید کم کر دیاہے۔

ان چیلنجز کی وجہ سے اسٹریٹیجک قانونی چارہ جوئی سول سوسائٹی کے لیے اپنی سماجی آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے اوراسے بڑھانے کے لیے ایک اہم ذریعہ کے طور پر ابھرتی ہے۔ تکنیکی قانونی چارہ جوئی، یامفاد عامہ کی قانونی چارہ جوئی میں وسیع تر سماجی تبدیلی کو حاصل کرنے کے لیے احتیاط سے منتخب قانونی مقدمات کو عدالت میں لاناشامل ہے۔ نظام کے ان مسائل کو حل کرنے اور بنیادی حقوق کے تحفظ کی وکالت کے لیے ایک طریقہ کار کے طور پر کام کرتاہے۔ لاہور ہائی کورٹ نے مفاد عامہ کی عرضی کو قانونی کارروائی قرار دیاہے جس کا مقصد عوامی مفاد کا حصول اور معاشرے کے پسماندہ اور کمزور طبقات کو متاثر کرنے والی شکایات کاازالہ کرناہے۔ یہ نقطہ نظر شہریوں کو ناانصافیوں کو چیلنج کرنے اوراپنے حقوق کی، یہاں تک کہ جبر کے ماحول میں بھی، وکالت کرنے کے ذرائع فراہم کرتا ہے۔

پاکستان میں عدلیہ نے تاریخی طور پر اسٹریٹیجک قانونی چارہ جوئی کے ذریعے انسانی حقوق کے تحفظ میں اہم کردارادا کیاہے۔ مارشل لاز کی منسوخی اور مشقتی مزدوری کے خاتمے جیسے تاریخی مقدمات میں اہم قانونی اور سماجی اصلاحات کے نفاذ کے لیے اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی کی صلاحیتوں کا استعمال کیا گیاہے۔ سیاست دانوں نے بھی انتخابی مسائل کو حل کرنے اور جابرانہ پالیسیوں کو چیلنج کرنے کے لیے اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی کا استعمال کیاہے، جس سے مختلف شعبوں میں اس کی اہمیت کو اجاگر ہوئی ہے۔

اپنی صلاحیت کے باوجود اسٹریٹیجک قانونی چارہ جوئی کا استعمال چیلنجوں کے بغیر نہیں ہے۔ عدلیہ کا کردار بعض اوقات متضاد ہونے کی وجہ سے متاثر ہوتاہے، اور عدالتی سرگرمی سے قانون سازی کے کاموں میں مداخلت کے خدشات پیدا ہوتے ہیں۔ تاہم، انسانی حقوق کے تحفظ اور شکایات کو دور کرنے میں عدلیہ کی کوششیں اس کے کردار کا ایک اہم پہلو رہی ہیں، خاص طور پر جب دوسرے ریاستی ادارے آئینی اصولوں کو برقرار رکھنے میں ناکام ہوں۔

روایتی عدالتی راستوں کے علاوہ، سول سوسائٹی، قانونی فریم ورک جیسے معلومات تک رسائی کے حق (آر ٹی آئی) قوانین اور عوامی خدمات کے حق کے قانون کا فائدہ اٹھاسکتی ہے۔ یہ قوانین حکام کو جوابدہ بنانے اور خدمات کی فراہمی کو بہتر بنانے کا طریقہ کار فراہم کرتے ہیں۔ سول سوسائٹی گروپس حکمت عملی کے ساتھ ان ٹولز کو شفافیت کو بڑھانے، پالیسی میں تبدیلیوں کی وکالت کرنے اور نظام کی ناکامیوں کو دور کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر، سٹریٹجک قانونی چارہ جوئی پاکستان میں سول سوسائٹی کے لیے سکڑتی ہوئی سماجی آزادی کی بحالی اور بنیادی حقوق کی وکالت کرنے کے لیے ایک امید افزاراستہ فراہم کرتی ہے۔ عدالتی فورمز اور قانونی دفعات کا استعمال کرتے ہوئے، سول سوسائٹی اپنی جگہ کو دوبارہ حاصل کرنے اور زیادہ کھلے اور جوابدہ طرز حکمرانی کے ماحول کو فروغ دینے کے لیے کام کرسکتی ہے۔

یہ پالیسی بریف مختصر طور پر پاکستان میں سول سوسائٹی پر عائد رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے میں اسٹریٹیجک قانونی چارہ جوئی کے کردار کا خاکہ پیش کرتاہے۔ یہ سماجی تبدیلی کے ایک آلے کے طور پر اسٹریٹیجک قانونی چارہ جوئی کے قانونی اور عملی پہلوؤں کا ایک جائزہ فراہم کرتاہے، اس کے تاریخی تناظر اور موجودہ مطابقت پر زور دیتاہے۔ پالیسی بریف میں قانونی چارہ جوئی کو حکمت عملی کے طور پر استعمال کرنے کے چیلنجوں اور حدود کو بھی حل کیا گیاہے، جبکہ سول سوسائٹی کی تنظیموں کے لیے اس طریقہ کار کو مؤثر طریقے سے استعمال کرنے کے لیے قابل عمل سفارشات تجویز کی گئی ہیں۔ کیس اسٹڈیز اور قانونی فریم ورک پیش کرکے، اس پالیسی بریف کا مقصد اسٹیک ہولڈرز کو اس بات کی جامع تفہیم سے آراستہ کرناہے کہ پاکستان میں شہری جگہ کے تحفظ اور توسیع کے لیے اسٹریٹیجک قانونی چارہ جوئی سے کس طرح فائدہ اٹھایاجاسکتاہے۔

پاکستان میں سول سوسائٹی (شہری اداروں) کو درپیش چیلنجز کا ایک جائزہ:

پاکستان کی سول سوسائٹی کو کثیر الجہتی چیلنجز کا سامنا ہے جنہیں ایک جہدِ مسلسل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ گزشتہ تین دہائیوں کے دوران سول سوسائٹی کے بدلتے ہوئے طور طریقوں کو دیکھا جائے تو یہ چیلنجز بحران کی صورت میں نظر آتے ہیں۔1990 کی دہائی سے، روایتی سول سوسائٹی کی غیر منظم آوازیں غیر سرکاری اداروں کی شکل میں منظم ہوئیں اور تب سے وہ غیر سرکاری ادارے کامیابی کے ساتھ بین الاقوامی ڈونرز سے فنڈز حاصل کر کے انہیں استعمال کر رہے ہیں۔ زیادہ تر سول سوسائٹی کی تنظیمیں، خاص طور پر ایسی جو شہری اور انسانی حقوق میں دلچسپی رکھتی ہیں، اس شعبے میں اپنا وجود باقی رکھنے اور فلاحی کاموں کے لیے ڈونرز کی رقم کا استعمال کر رہی ہیں اور، اکثر، پسماندہ طبقات کے لیے مثبت پالیسیاں بنوانے میں کامیاب رہتی ہیں۔ تاہم سخت اور پیچیدہ ریگولیٹری نظام سول سوسائٹی کے اداروں کے لیے مشکلات کا باعث بنتا رہتا ہے بالخصوص ایسے غیر سرکاری ادارے جن کا انحصار بین الاقوامی ڈاونرز کی فنڈنگ پر ہے۔ گزشتہ بارہ سالوں کے دوران، ایگزیکٹو برانچ کے صوابدیدی ضوابط کی پالیسی کے نفاذ سے لے کر مختلف سخت قوانین اور دیگر بہانوں سے تنگ کرنے کی وجہ سے سول سوسائٹی کا شعبہ کافی متاثر ہوا ہے۔

سول سوسائٹی کی تنظیمیں، خاص طور پر جو بین الاقوامی ڈونرز کا پیسہ استعمال کرتی ہیں، انہیں مختلف پالیسیوں، قانونی فریم ورک، اور انتظامی طریقہ کار کی تعمیل کرنا ضروری ہے جو ان کے رجسٹریشن، آپریشنز، اور فنڈنگ کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان پالیسیوں پر عملدرآمد کے تین درجے ہیں، جن میں موضوعاتی (Thematic) قوانین کے تحت پرائمری رجسٹریشن، چیریٹیز قوانین کے تحت ثانوی رجسٹریشن، اور صوابدیدی پالیسی فریم ورک جیسے اکنامک افیئر ڈویژن (EAD) کے ایم او یو، ہوم ڈیپارٹمنٹ کے نو آبجیکشن سرٹیفکیٹس (NOCs) اور بینک اکاؤنٹس کھولنے اور انہیں چلانے کے لیے درکار ضروری ہدایات پر عملدرآمد شامل ہیں۔ ان پالیسیوں کا متضاد نفاذ، جو اکثر حکومت کے مختلف اسٹیک ہولڈرز کی سمجھ سے مشروط ہوتا ہے، مخصوص دورانیے اور مخصوص حالات میں کام کرنے والی سول سوسائٹی کی تنظیموں کے لیے رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔

سول سوسائٹی کے ایسے ادارے جن کی فنڈنگ کا ذریعہ اندرون ملک ہی ہے انہیں بھی سخت ضابطوں اور پالیسیوں کا پابند بنایا جاتا ہے۔ گزشتہ ایک دہائی کے دوران ذرائع ابلاغ کے روایتی اداروں اور سوشل میڈیا پر پابندیوں اور سیلف سنسر شپ میں اضافہ ہوا ہے۔ صحافیوں، وکلاء اور ڈاکٹروں کی نمائندگی کرنے والی انجمنیں اور یونینیں بھی اظہار رائے پر پابندیوں اور مخصوص ریاستی پالیسیوں اور اقدامات پر تبصرہ کرنے کی آزادی کے حوالے سے شکایت کرتی ہیں۔

یہ پہلا موقع نہیں ہے جب سول سوسائٹی، خاص طور پر این جی اوز کو اس قدر سخت ماحول کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ 20ویں صدی کے آخری سالوں کے دوران، این جی اوز نے ایک وسیع کریک ڈاؤن کا سامنا کیا، جسے سول سوسائٹی نے سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں کی مدد سے کامیابی سے پیچھے دھکیل دیا۔ تاہم، سول سوسائٹی کو بچانے کی سیاسی جماعتوں کی صلاحیت بھی اس بار خطرے میں پڑ گئی ہے۔ بہت سی سیاسی جماعتوں کو اپنے اظہارِ رائے کی آزادی کے حقوق کے استعمال میں چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ ریاست کی سخت نگرانی میں آتی ہیں۔

بہر حال، سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈرز حکومتی جبر کا علاج عدالتی مداخلت کے سہارے کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور آئین کے تحت دیے گئے انسانی حقوق کے تحفظ کے حصول کے لیے عدالتوں کے اصل دائرہ اختیار کا مطالبہ کرتے ہیں۔ سول سوسائٹی بھی اس طرح کے ریلیف کے حصول کے لیے عدلیہ کے دروازے پر وقتاً فوقتاً دستک دیتی رہی ہے۔ سیاسی جماعتوں اور سول سوسائٹی کے اطمینان کے لیے، عدلیہ نے ایگزیکٹو کے صوابدیدی احکامات اور ان قانون سازیوں کو مسترد کر کے خاطر خواہ ریلیف دینے کی کوشش کی ہے جو آئین کے خلاف ہیں۔ حال ہی میں، اعلیٰ عدلیہ، یعنی ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ نے، سیاسی رہنماؤں کی طرف سے دائر درخواستوں کو لے کر یا از خود نوٹسز کے ذریعے آئین کی روح کی خلاف ورزیوں پر آزادانہ طور پر اپنے اصل دائرہ اختیار کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہائی کورٹس اور سپریم کورٹ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے اپنے اصل اور اپیل کے دائرہ اختیار کے تحت مقدمات لینے میں بہت سرگرم رہے ہیں۔

پاکستان میں شہری اور انسانی حقوق کے فروغ کے لیے تکنیکی قانونی چارہ جوئی اور اس کا استعمال:

لفظ قانونی چارہ جوئی سے مراد قانونی کارروائی کرنے اور قانون کی عدالت میں قانونی مقدمہ لانے یا لڑنے کا عمل ہے۔ قانونی چارہ جوئی میں عام طور پر دو یا دو سے زیادہ فریقوں کے درمیان تنازعہ شامل ہوتا ہے جسے عدالتی نظام کے ذریعے حل کیا جاتا ہے۔ اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی، ایک دوسرے کے ساتھ عوامی مفاد کے مقدمے یا محض PIL کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، PIL ایک ایسا طریقہ ہے جو عدالت میں مقدمات کو احتیاط سے منتخب کر کے قانون، عمل، یا عوامی بیداری میں اہم تبدیلیاں لا سکتا ہے۔ اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی میں ملوث کلائنٹ ان غلطیوں کا شکار رہے ہیں جن کا سامنا بہت سے لوگوں کو ہو سکتا ہے، لیکن صرف چند ہی رپورٹ کرتے ہیں۔ اس طرح، اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی انفرادی کیس پر توجہ مرکوز کرتی ہے تاکہ ایک ایسی تبدیلی لائی جا سکے جو معاشرے بڑے حصے کے لیے مفید ہو۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ لاہور ہائی کورٹ نے مفاد عامہ کی قانونی چارہ جوئی کی جو تعریف کی ہے، وہ سول سوسائٹی کے لیے اپنا آزاد مقام دوبارہ حاصل کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ بلیک لاڈکشنری میں درج تعریفوں اور پاکستانی عدالتوں کے سابقہ فیصلوں کے ساتھ ساتھ ملائیشیا کی عدالت کے فیصلے کی بنیاد پر لاہور ہائی کورٹ نے اقبال احمد ڈھڈھی بمقابلہ فیڈریشن آف پاکستان کیس میں اپنے 2013 کے فیصلے میں قرار دیا کہ "مفاد عامہ کے لیے قانون کی عدالت میں، عوام یا کسی طبقے کا مالی یا کسی اور نوعیت کا مفاد متاثر ہوتا ہونے کی صورت میں، قانونی کارروائی شروع کی جا سکتی ہے۔

مفاد عامہ کی قانونی چارہ جوئی کا تصور تمام شہریوں بشمول ایسے پسماندہ شہریوں کو جو طاقت یا وسائل کی کمی کی وجہ سے انصاف کے نظام تک رسائی سے محروم رہتے ہیں، کو ان کے بنیادی انسانی حقوق زندگی اور آزادی کے تحفظ اور قوانین کے نفاذ کے لیے انصاف تک ناقابل تسخیر رسائی فراہم کرتا ہے۔ ماضی قریب میں عدالتوں نے "لوکس اسٹینڈ" یا "غم زدہ شخص" کے اصول بیان کیے ہیں، جو ایسے شخص کو حق فراہم کرتے ہیں جو آئین کے آرٹیکل 199 کے تحت مفاد عامہ کے لیے قانونی چارہ جوئی کا اپنا حق استعمال کر سکے"۔ یہ فیصلہ کسی بھی شہری کے لیے جو اپنے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی محسوس کرتا ہے، وسیع دائرہ کار کو واضح کرتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ یہ مفاد حقیقی ہونا چاہیے۔ تاہم، پاکستان کی اعلیٰ عدلیہ کی حقوق کی خلاف ورزیوں کے مقدمات کو آزادانہ طور پر لینے کی ایک مستحکم تاریخ رہی ہے۔

تکنیکی قانونی چارہ جوئی کیوں؟

کسی بھی ترقی پذیر جمہوریت کی بنیاد ریاست کے تین اہم ستونوں: ایگزیکٹو، قانون ساز یعنی پارلیمان اور عدلیہ کے درمیان اختیارات کی تقسیم کا نظریہ ہے۔ معروف فرانسیسی فلسفی مونٹیسکوئیو کے مطابق، مختلف ریاستی اداروں کے الگ الگ کرداروں کا آپس میں ملاپ ریاست کی آزادی کے لیے بہت بڑا خطرہ لاحق ہے کیونکہ یہ "شہریوں کی آزادی کو من مانے کنٹرول کی طرف لے جا سکتا ہے"۔ اس لیے شہریوں کو کسی ایک ستون کی طرف سے طاقت کے بے لاگ استعمال سے بچانے کے لیے تمام ریاستی ستونوں کے اختیارات کے لیے مخصوص پیرامیٹرز کا تعین کرنا ضروری ہے۔ انقلابی برطانوی قانون دان لارڈ ڈیننگ نے عدلیہ کے کردار کو فصاحت کے ساتھ درج ذیل اصطلاحات میں بیان کیا، "سیاست کے دائرے سے باہر رہتے ہوئے قانون کی تشریح اور اسے بدلتے وقت کی ضروریات کے مطابق ڈھالنا"۔

پاکستان میں ایگزیکٹو کو بنیادی طور پر ریاست کی سیکیورٹی پالیسی سے منسلک حساسیت کے حوالے سے اپنے مینڈیٹ سے ہٹ کر کام کرتے دیکھا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ، جو دوسری صورت میں ایگزیکٹو کے بہت سے کاموں کو منظم کرنے کی کوشش کرتی ہے، اکثر حکومتوں کی ایسی پالیسیوں اور اقدامات سے اتفاق کرتی ہے یا ان کو نظر انداز کرتی ہے جو شہریوں کے حقوق کی خلاف ورزی اور سول سوسائٹی کی آزادیوں میں رکاوٹوں کے لیے ممکنہ طور پر ذمہ دار ہیں۔ ایسے میں شہری اور انسانی حقوق کے تحفظ میں عدلیہ کا کردار مزید اہم ہو جاتا ہے۔

اسٹیک ہولڈرز کا تجزیہ:

جیسا کہ پہلے بھی ذکر آیا، پاکستان کی ایگزیکٹو پر اسٹیبلشمنٹ کے زیر اثر اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کا الزام ہے۔ طاقتور سیاسی اشرافیہ اور کاروبار بھی ایگزیکٹو پر خاصا اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ ماضی قریب میں، ایگزیکٹو کو قانون سازی اور پالیسی اختیارات ملے ہیں جیسے کہ این جی او پالیسی 2013، نیشنل ایکشن پلان 2014، الیکٹرانک کرائمز کی روک تھام ایکٹ 2016، فوجی عدالتوں کے قیام کے ساتھ ساتھ فنانشل ایکشن ٹاسک فورس کی سفارشات کی تعمیل کی بین الاقوامی ضروریات، جس کے نتیجے میں سول سوسائٹی پر چیریٹیز ایکٹ اور سخت مالیاتی ضوابط نافذ ہوئے، جس سے یہ قانون اور بھی طاقتور ہو گیا۔ ان پالیسیوں اور قانون سازی کے تحت ایگزیکٹو کے اضافی اختیارات کا بے ضابطگی سے استعمال ایسے حالات پیدا کرتا ہے جہاں سیاسی اور سول سوسائٹی سے وابستہ افراد کو محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آزادی سلب ہوئی ہے اور ان کے حقوق اور آزادیوں کو غصب کیا گیا ہے۔

انسانی حقوق سے متعلق حساس قوانین اپنانے، انسانی حقوق کے معاہدوں کی توثیق کی حمایت کرنے، حکومتوں کا احتساب کرنے اور انسانی حقوق کو فروغ دینے والے قومی بجٹ کی منظوری کے ذریعے مضبوط قومی انسانی حقوق کے تحفظ کے نظام کی تعمیر میں پارلیمنٹ کا مرکزی کردار ہے۔ حالیہ برسوں میں، پارلیمنٹ نے لوگوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے بہت سے قوانین منظور کیے ہیں، جن میں خواتین، بچوں اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے آزاد کمیشن کا قیام، معلومات تک رسائی کا حق (آر ٹی آئی) قانون، جنسی طور پر ہراساں کرنے کے خلاف قانون، اسمگلنگ اور جبری مشقت، خواجہ سراؤں اور بچوں کے تحفظ سے متعلق قوانین، ہندو میرج ایکٹ، اور ماحولیاتی تحفظ سے متعلق قوانین شامل ہیں۔ 2015 کے بعد سے، پارلیمنٹ نے ایگزیکٹو کے نظم و نسق کو منظور کرنے، اس سے اتفاق کرنے یا نظر انداز کرنے کا رجحان رکھا ہے، جس کی وجہ سے حقوق کی خلاف ورزیوں اور سماجی آزادیوں سے متعلق بہت سی شکایات سامنے آئیں۔

2015 کے بعد سے، پارلیمنٹ نے ایگزیکٹو کے نظم و نسق کو منظور کرنے، اس سے اتفاق کرنے یا نظر انداز کرنے کا رجحان رکھا ہے، جس کی وجہ سے حقوق کی خلاف ورزیوں اور سماجی آزادیوں سے متعلق بہت سی شکایات سامنے آئیں۔

بین الاقوامی معاہدوں کی توثیق کے بعد پارلیمنٹ نے بہت سے قوانین کو بھی اپ ڈیٹ کیا ہے۔ حقوق کے تحفظ پر قانون سازی کے حوالے سول سوسائٹی اور پارلیمنٹ کے درمیان خوشگوار تعلقات ہیں۔ حقوق اور سماجی آزادیوں کے تحفظ کے حوالے سے پارلیمنٹ کی طرف سے آواز اٹھانے کا تسلسل برقرار رہنا اب بھی سوالیہ نشان ہے۔ جیسا کہ پہلے زیر بحث آیا، پاکستان میں سول سوسائٹی اپنی بقا کے لیے ہانپ رہی ہے۔ یہاں تک کہ سول سوسائٹی کی سب سے زیادہ منظم شکل، یعنی مزدور یونینوں کو بھی اپنی آواز پہنچانے میں مسائل کا سامنا ہے۔ صوبہ سندھ نے حال ہی میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (آئی ایل او) کی مدد سے بکھرے ہوئے لیبر قوانین کو تبدیل کرنے کے لیے ایک متحدہ لیبر کوڈ متعارف کرایا ہے، جس کی وجہ سے ٹریڈ یونینز اس کی 'من مانی' نوعیت کے خلاف احتجاج کر رہی ہیں۔ صحافی پچھلے تین سالوں میں کام پر سخت ضابطے متعارف کرانے کی حکومت کی بار بار کی کوششوں کے خلاف سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔ حکومت سوشل میڈیا مواد کو ریگولیٹ کرنے کے لیے ایک قانون پر بھی غور کر رہی ہے۔ اگرچہ پاکستان کی عدلیہ کی طرف سے ترقی پسند فیصلے دینے کی ایک تاریخ رہی ہے تاہم شہری اور انسانی حقوق کے تحفظ میں اس کی مستعدی بے ترتیب ہے۔ 2007 کی عدلیہ تحریک کے بعد سے، عدلیہ نے کئی مواقع پر اس "ہتھیار" کا سہارا لیا ہے جسے ناقدین 'جوڈیشل ایکٹوازم' کہتے ہیں، جسے طاقت کی مثلث کی اسکیم کے تحت مطلوبہ سے زیادہ آزادی کی کوشش کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

کچھ ماہرین کا کہنا ہے کہ عدلیہ نے اپنے اصل دائرہ اختیار کو استعمال کرتے ہوئے کچھ مقدمات کا فیصلہ کرتے وقت پارلیمانی کاروائیوں میں اپنے دائرہ اختیار سے زیادہ دخل دیا ہے۔ مثال کے طور پر، الیکشن کمیشن آف پاکستان کی طرف سے دسمبر 2023 میں پارلیمنٹ کو لکھے گئے خط میں 'عدالتی دبنگ یعنی عدالت کی طرف سے اپنا حکم زبردستی منوانے کی کوشش کی بازگشت سنائی دی۔ جوڈیشل ایکٹوازم بنیادی طور پر آئین کے ذریعے دیے گئے اصل دائرہ اختیار کے تحت شہری اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے عدالتی اختیارات کے آزادانہ استعمال سے تشکیل پاتا ہے۔ تاہم، اصل دائرہ اختیار کا ضرورت سے زیادہ یا ضرورت سے کم استعمال حقوق اور سماجی آزادی کو مثبت یا منفی دونوں لحاظ سے متاثر کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ عدلیہ نے ہمیشہ مؤثر طریقے سے لوگوں کے حقوق اور آزادیوں کا تحفظ کیا ہے۔ چند فیصلوں کو ایک طرف رکھا جائے تو، عدلیہ خاص طور پر فوجی اور سیکیورٹی پالیسی کے معاملات میں بنیادی طور پر ایگزیکٹو کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ عدلیہ 1953، 1958 اور 1999 کے مارشل لاز کا مقابلہ کرنے میں بری طرح ناکام رہی۔ ان تمام معاملات میں عدلیہ نے جمہوری حکومتوں کے زبردستی تختہ الٹنے کو درست قرار دیا۔ عدلیہ نے پنجاب کے کچھ حصوں میں 1953 کے مارشل لا کو درست قرار دینے کے لیے بدنامِ زمانہ "نظریہ ضرورت" ایجاد کیا۔ جنرل مشرف کے 1999 کے مقدمے میں عدالت نے آمر کو اپنی مرضی سے آئین میں ترمیم کرنے کی اجازت دی۔ عدلیہ نے صرف 1970 کے یحیٰی خان کے مارشل لاء اور جنرل مشرف کی 2007 کی ایمرجنسی کو ختم کیا۔ کچھ حالیہ معاملات میں، جوڈیشل ایکٹوزم ایگزیکٹو کے اقدامات کے ساتھ معاون نہیں رہی۔ مثال کے طور پر عدلیہ کی طرف سے بار بار وارننگ کے باوجود جبری گمشدگیوں کا سلسلہ نہیں رکا۔

اعلیٰ عدلیہ کے اختیارات اور انسانی حقوق کے تحفظ کے لیے اپنے اصل دائرہ اختیار کو استعمال کرنے کے اس کے ریکارڈ کے ساتھ ساتھ بہت سی دیگر قانون سازی جیسے کہ معلومات تک رسائی کے حق (آر ٹی آئی) کا قانون، حقوق کی فراہمی کے لیے کمیشن کے قیام اور سماجی آزادی کے دوبارہ حصول کے تکنیکی قانونی چارہ جوئی کا استعمال کرنے کے لیے ایک مضبوط مقدمہ بناتے ہیں۔ اگرچہ ایک کمزور سول سوسائٹی کے لیے ایگزیکٹو کو سنبھالنا ایک بہت بڑا کام ہے، لیکن اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی اب بھی سکڑتی ہوئی سماجی آزادی کی کوششوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اجتماعی کوششوں کے لیے ایک ونڈو پیش کرتی ہے۔

تکنیکی قانونی چارہ جوئی کی تاریخ اور سول سوسائٹی اور سیاسی جماعتوں کے ذریعہ اس کا استعمال:

پاکستان میں تکنیکی قانونی چارہ جوئی کی ایک دلچسپ تاریخ ہے اور اسے سول سوسائٹی اور سیاسی تنظیمیں انسانی حقوق کے حصول اور تحفظ کے لیے استعمال کرتی رہی ہیں۔ اس طرح کی قانونی چارہ جوئی کا سب سے زیادہ کریڈٹ سول سوسائٹی کو جاتا ہے۔

جنرل یحیٰی کے 1970 کے مارشل لا کو کالعدم قرار دینے کا واقعہ مرحومہ عاصمہ جہانگیر، جو اُس وقت عاصمہ جیلانی تھیں، ایسی تکنیکی قانونی چارہ جوئی کی بنیاد بنا۔ عاصمہ جیلانی نے 1971 کے مارشل لاء ریگولیشن نمبر 78 کے تحت اپنے والد ملک غلام جیلانی اور الطاف گوہر کی نظر بندی کو چیلنج کیا۔ سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ جنرل یحیٰی خان کا مارشل لا لگانا غیر قانونی تھا کیونکہ پاکستان کوئی مقبوضہ علاقہ نہیں اور اس کا اپنا آئین موجود ہے۔ عاصمہ کی ایک اور مفاد عامہ کی عرضی کے نتیجے میں، سپریم کورٹ نے 18 ستمبر 1988 کو اینٹوں کے بھٹہ مزدوروں کو "جبری مشقتی" قرار دیا۔

عاصمہ کی ایک اور مفاد عامہ کی عرضی کے نتیجے میں، سپریم کورٹ نے 18 ستمبر 1988 کو اینٹوں کے بھٹہ مزدوروں کو "جبری مشقتی" قرار دیا۔

ہزاروں مشقتی گھرانے بھٹے چھوڑ کر بہتر روزگار کی تلاش میں اپنی پسند کے علاقوں میں چلے گئے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے سے اینٹوں کے بھٹوں پر کام کرنے والے مزدوروں کو ملنے والی آزادی نے قالین بافی، ماہی گیری، سٹون کرشنگ، جوتے بنانے، پاور لوم، کاغذ چننے اور زراعت کی صنعتوں میں کام کرنے والے دیگر مشقتی مزدوروں کو امید کی کرن فراہم کی جنہوں نے "بانڈیڈ لیبر لبریشن فرنٹ آف پاکستان" (BLLFP) کی تشکیل میں اینٹوں کے بھٹہ مزدوروں کے محاذ میں شمولیت اختیار کی۔ بی ایل ایل ایف پی نے ملک بھر میں اپنی ذیلی شاخیں قائم کیں اور مشقتی مزدوروں کے مسائل کو حل کرنے کے لیے مسلسل کوششیں کیں۔

اس تحریک کی کوششوں کے نتیجے میں تین ہزار زرعی مزدور، 1000 سٹون کرشرز، قالین بافی سے وابستہ 500 افراد، پاور لومز، فشریز اور کاغذ چننے کی صنعت سے 500 مزدوروں کو رہائی نصیب ہوئی۔ ایک آزاد بچے اقبال مسیح نے سول سوسائٹی کی مدد سے اس سرگرمی کو آگے بڑھایا۔ وہ 12 سال کی عمر میں مارا گیا تھا اور ایک شہید کے طور پر بڑے پیمانے پر اس کا احترام کیا جاتا ہے. سول سوسائٹی کی کوششوں کے نتیجے میں 1992 کے بانڈڈ لیبر سسٹم (ابولیشن) ایکٹ کو نافذ کیا گیا۔

ایک اور معروف سماجی کارکن، شہلا ضیاء نے 1992 میں ایک آبادی والے علاقے میں پاور گرڈ سٹیشن کی تعمیر کے ماحولیاتی خطرات کے بارے میں سپریم کورٹ کے اصل دائرہ اختیار کے نفاذ کی درخواست کی۔ مقدمے کی سماعت 1994 میں ہوئی اور فیصلہ شہلا کے حق میں ہوا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں پاکستان کے پہلے ماحولیاتی تحفظ کے قانون، پاکستان انوائرمینٹل پروٹیکشن ایکٹ 1997 کے مسودے اور نفاذ کو شکل دی گئی۔ یہ صرف سول سوسائٹی کے کارکن ہی نہیں تھے جنہوں نے اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی کا حق استعمال کیا۔ سیاستدانوں نے بھی اس سہولت سے بھرپور فائدہ اُٹھایا۔ سابق وزیر اعظم، مرحومہ بے نظیر بھٹو کی درخواستوں نے بہت سی بامعنی اور دیرپا تبدیلیاں اور اصلاحات ایسی ہی قانونی چارہ جوئی کے نتیجے میں نافذ کروائیں۔ وہ 2007 میں اپنے قتل تک ایک باقاعدہ درخواست گزار رہیں۔ 1988 میں سپریم کورٹ میں بینظیر بھٹو کی درخواست کے نتیجے میں آمر ضیاء الحق کی طرف سے انتخابی قوانین میں کی گئی تبدیلیوں بشمول غیر جماعتی انتخابات کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ ان کی پٹیشن کے نتیجے میں 1988 کے عام انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوئے۔

1988 میں سپریم کورٹ میں بینظیر بھٹو کی درخواست کے نتیجے میں آمر ضیاء الحق کی طرف سے انتخابی قوانین میں کی گئی تبدیلیوں بشمول غیر جماعتی انتخابات کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ ان کی پٹیشن کے نتیجے میں 1988 کے عام انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہوئے۔

2007 میں بے نظیر بُھٹو نے جنرل مشرف کی طرف سے 2007 کی ایمر جنسی کے نفاذ کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی۔ 2007 میں طے شدہ عام انتخابات سے قبل، جو بعد میں اُن کے قتل کی وجہ سے فروری 2008 میں ہوئے، بے نظیر بُھٹو نے ووٹر لسٹوں میں ووٹرز کی گمشدگی پر سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی۔ درخواست میں موقف اختیار کیا گیا کہ آئندہ انتخابات کے لیے ووٹر لسٹوں کی تیاری نے بہت سے سوالات کو جنم دیا کہ یہ مشق کیسے کی گئی۔ جون 2007 میں انتخابی فہرستوں کے مسودے کی نمائش کے بعد، یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ تقریباً 28 ملین، یا تقریباً 33 فیصد اہل ووٹرز، غیر رجسٹرڈ رہے۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے بے نظیر بُھٹو کی جانب سے نئی فہرست میں تقریباً 28 ملین لاپتہ ووٹرز کے حوالے سے دائر درخواست پر فیصلہ سناتے ہوئے الیکشن کمیشن کو حکم دیا کہ وہ ان تمام ووٹرز کو نئی فہرست میں شامل کرے جو 2002 کی ووٹر لسٹ میں تھے لیکن ان کا اندراج نہیں کیا گیا تھا۔ لہذا، فروری 2008 کے عام انتخابات میں استعمال ہونے والی انتخابی فہرستوں میں تقریباً 81 ملین ووٹرز تھے۔

اُس وقت کی ورکرز پارٹی (جو بعد میں عوامی ورکرز پارٹی میں ضم ہو گئی) کے معروف قانون دان اور انسانی حقوق کے کارکن عابد حسن منٹو نے پارٹیوں اور امیدواروں کے طرز عمل سے شہریوں کے انتخابی حقوق کی خلاف ورزی اور الیکشن کمیشن کی طرف سے اس طرزِ عمل کو نظرانداز کرنے کے خلاف سپریم کورٹ میں درخواست دائر کی۔ مقدمے کا فیصلہ درخواست گزار کے حق میں ہوا، اور سپریم کورٹ نے انتخابی فریم ورک میں کئی معنی خیز طویل مدتی اصلاحات کی بنیاد رکھی۔ جب پارلیمنٹ نے الیکشن ایکٹ 2017 کے تحت انتخابی قوانین کو یکجا کیا تو بہت سی اصلاحات قانون کا حصہ بن گئیں۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور ان کے ساتھی ججز (2008-2014) نے آزادانہ طور پر اپنے اختیارات کا استعمال شروع کیا اور درخواستوں پر عملدر آمد کرتے ہوئے انہیں انسانی حقوق کے مسائل پر ازخود نوٹس درخواستوں میں تبدیل کرنا شروع کیا۔ اگرچہ بہت سے ماہرین نے جوڈیشل ایکٹوزم کے اس مرحلے پر تنقید کی، تاہم انسانی حقوق کے مسائل کو حل کرنے میں عدلیہ کی مستعدی نے ان سالوں کے دوران پسماندہ اور کمزور طبقات کے لیے کچھ تاریخی اور زندگی بدل دینے والی تبدیلیاں کیں۔

اگست 2005 میں، سپریم کورٹ نے اُس وقت کے شمال مغربی سرحدی صوبہ (این ڈبلیو ایف پی) اسمبلی (2010 میں صوبائی اسمبلی نے نام تبدیل کر کے خیبر پختونخوا رکھ دیا) کی طرف سے ایک قانون سازی کو غیر آئینی قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔ صوبے میں مذہبی جماعتوں کے حکمران اتحاد کی حکومت کی جانب سے پیش کیے گئے بل میں ایک ایسا شعبہ متعارف کرانے کی کوشش کی گئی جسے ناقدین 'اخلاقی پولیسنگ' کہتے ہیں۔ اسی طرح افتخار محمد چوہدری نے لاپتہ افراد کے مقدمات سننے کا بھی آغاز کیا تاکہ ان کے ٹھکانوں کا پتہ چل سکے اور حکومتِ وقت پر شدید ناراض ہوتے رہے۔ وہ اور ان کے جانشین تسلسل سے ایسے مقدمات دیکھتے رہے تاہم انہیں اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ خواجہ سراؤں کے حقوق سے متعلق چیف جسٹس افتخار چوہدری کا دوسرا تاریخی فیصلہ خواجہ سرا برادری کی پہچان اور خواجہ سراؤں کے حقوق کی بنیاد بنا۔ ڈاکٹر اسلم خاکی بمقابلہ ایس ایس پی آپریشنز راولپنڈی اور دیگر کیس میں، چیف جسٹس نے کہا کہ متعلقہ صوبائی حکومتوں کو خواجہ سراؤں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے مناسب اقدامات کرنے چاہئیں۔

اس فیصلے نے نادرا کو اپنے نظام کے جنس کے زمرے میں ٹرانسجینڈر کے آپشن کو شامل کرنے پر بھی مجبور کیا، جس سے خواجہ سراؤں کو قومی شناختی کارڈ کی فراہمی کی راہ ہموار ہوئی اور خواجہ سرا کمیونٹی کے لیے اعلیٰ تعلیم اور ملازمتوں کے لیے راہیں کھلیں۔ فیصلے نے وفاقی حکومت کو ٹرانس جینڈر کمیونٹی کے لیے مخصوص حقوق اور ان کے تحفظ کی ہدایت کی، جس کے نتیجے میں ٹرانس جینڈر پرسنز (پروٹیکشن آف رائٹس) ایکٹ 2018 منظور ہوا۔

اسی طرح، چیف جسٹس تصدق جیلانی کے ایک انتہائی اہم فیصلے نے پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں گفتگو اور نقطہ نظر کو نئی شکل دی۔ یہ فیصلہ 19 جون 2014 کو ایک سوموٹو کیس میں آیا۔ 2013 میں پشاور چرچ حملے کے بعد "جسٹس ہیلپ لائن" اور ہندو برادری کی طرف سے ان کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی اور پاکستانی طالبان کی طرف سے کالاش قبیلے کو دھمکیاں دینے والی خبروں کے خلاف دائر دیگر درخواستوں کے بعد یہ فیصلہ سامنے آیا۔ پاکستان میں مذہبی اظہار کی آزادی میں توسیع کے فیصلے کا موازنہ امریکہ میں براؤن بمقابلہ بورڈ آف ایجوکیشن سے کیا گیا جس میں طبقات کی علیحدگی کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ 32 صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلے میں عدالت نے وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو تمام شعبوں میں ملازمتوں میں اقلیتوں کا کوٹہ یقینی بنانے کا حکم دیتے ہوئے امیدواروں کی عدم دستیابی کی آڑ میں ایسے کوٹے کی منتقلی سے روک دیا۔

اعلیٰ عدالتوں کے علاوہ، بہت سے سول سوسائٹی کے کارکن اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی کے لیے اکثر دیگر قانونی ذرائع کا استعمال کرتے ہیں۔ سول سوسائٹی کے کارکنوں نے ملک میں آر ٹی آئی یعنی معلومات تک رسائی کے قوانین کو کامیابی کے ساتھ متعارف کروایا۔ معلومات تک رسائی کے لیے کوشش کرنے والے متعدد افراد نے وفاقی اور صوبائی کمشنرز کے طور پر بھی خدمات انجام دیں جنہوں نے سماجی تبدیلی کے لیے معلومات کی درخواستوں کے اسٹریٹجک استعمال کے لیے متاثر کن مثالیں قائم کیں۔ ایک اندازے کے مطابق، اپیل کے مراحل تک پہنچنے والے تمام درخواست گزاروں میں سے ہر پانچواں درخواست گزار سول سوسائٹی کارکن ہے۔ ہم کہ سکتے ہیں کہ سول سوسائٹی کے کارکنان اجتماعی مسائل کو اٹھانے کے لیے آر ٹی آئی قوانین کا بہترین استعمال کر رہے ہیں۔ ایک آر ٹی آئی کارکن ریاض مسیح اپنی کمیونٹی کو مساوی حقوق اور استحقاق لینے کے قابل بنانے کے لیے مسیحی برادری کی آبادی اور نمائندگی کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لیے آر ٹی آئی درخواستوں کا استعمال کر رہا ہے۔

بار کونسلز اور وکلاء اور صحافیوں کی انجمنیں اجتماعی مقاصد کے لیے اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی کی ایک طویل تاریخ رکھتی ہیں۔ آئینی مسائل کی وجہ سے پاکستان بار کونسل اور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشنز قوانین کو چیلنج کرتی رہتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بہت سی این جی اوز جنہیں اکنامک افیئرز ڈویژن کی پالیسی کی عدم تعمیل پر کام کرنے کی اجازت سے انکار کیا گیا تھا، انہوں نے عدالتوں کا سہارا لیا اور ان میں سے اکثریت کو ریلیف فراہم کیا گیا۔ ساؤتھ ایشیا پارٹنر شپ پاکستان (SAP-PK) اور WISE پہلے ایسے سول سوسائٹی ادارے تھے جو 2017 میں اپنے اصل دائرہ اختیار کے تحت ای اے ڈی کیمبینہ ہراسمنٹ کے خلاف حکم امتناعی کے احکامات حاصل کرنے کے لیے لاہور ہائی کورٹ گئے۔

بہت سی دیگر این جی اوز نے بھی اسی طرح کے نتائج کے لیے عدالتی دروازے کھٹکھٹائے۔ میری اسٹوپس سوسائٹی کی طرف سے دائر کیے گئے ایسے ایک مقدمے میں، سندھ ہائی کورٹ نے جنوری 2022 میں فیصلہ دیا کہ ای اے ڈی پالیسی کا کوئی قانونی اثر نہیں ہے کیونکہ وفاقی حکومت نے اسے قانون سازی کے ذریعے کوئی کور فراہم کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ نومبر 2022 میں، حکومت نے ایک نئی ای اے ڈی پالیسی متعارف کرائی، جس کا مسودہ سول سوسائٹی کی تنظیموں کو بھیجا گیا۔ 37 این جی اوز پر مشتمل جوائنٹ ایکشن کمیٹی (جے اے سی) نے اس پر اپنی رائے دی۔ اگرچہ 2022 کی پالیسی 2013 کی پالیسی سے معیار کے لحاظ سے مختلف نہیں ہے، لیکن یہ کچھ ٹائم لائنز اور اپیلیٹ فورمز کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اس پالیسی پر ہونے والی قانون سازی ابھی سامنے آنا باقی ہے۔

تکنیکی قانونی چارہ جوئی کے لیے دستیاب قوانین اور فورم:

سول سوسائٹی وفاق اور چاروں صوبوں میں مختلف قانونی اور ریگولیٹری دفعات کے تحت بنائے گئے متعدد عدالتی اور نیم عدالتی فورمز کو فعال اور حکمت عملی کے ساتھ استعمال کر سکتی ہے جس میں گورننس کے وسیع پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ایسے فورمز کے سامنے ٹارگٹڈ اسٹریٹجک قانونی چارہ جوئی سماجی آزادی کو وسعت دینے اور بنیادی آزادیوں اور حقوق کو آگے بڑھانے کے لیے ایک طاقتور حکمت عملی ثابت ہو سکتی ہے۔ قانونی چارہ جوئی کی یہ کوششیں مخصوص شکایات کا ازالہ کرتی ہیں اور قانونی نظیریں مرتب کر کے سماجی آزادی کے لیے قانونی فریم ورک کا تعین کرتی ہیں۔ مزید برآں، اس طرح کے قانونی چارہ جوئی کے مقدمات کی شہرت اور عوامی گفتگو وسیع تر سماجی تحریکوں کو تقویت دے سکتی ہے۔ ذیل میں مختلف فورمز کی تفصیل دی گئی ہے جن پر مفاد عامہ کے لیے درخواست کی جا سکتی ہے:

A. معلومات تک رسائی کے حق کا فعال استعمال:

شہریوں کے معلومات تک رسائی کے حق کو فعال کرنے والی قانونی دفعات کئی سالوں کی محنت کے بعد تیار ہوئی ہیں۔ 1990 میں معلومات کی آزادی پر قانون سازی کی پہلی پارلیمانی کوشش اور موجودہ آئینی اور قانونی فریم ورک کے درمیان دو دہائیوں سے زیادہ کا عرصہ لگا ہے۔ آئین (اٹھارویں ترمیم) ایکٹ، 2010 نے معلومات تک رسائی کو ایک بنیادی حق قرار دیا جس کی وجہ سے اس حق کے استعمال پر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں نے قانون سازی کی۔ خیبر پختونخوا نے 2013 میں اس پر قانون سازی کرنے میں سبقت حاصل کی، اس کے بعد اسی سال پنجاب، 2016 میں وفاق، 2017 میں سندھ، اور 2021 میں بلوچستان نے معلومات تک رسائی کے حق کے لیے قانون سازی کی۔ یہ تمام قوانین شہریوں کو ایسی معلومات جو سرکاری اداروں کے پاس ہوں اور وہ عوام تک نہ پہنچ سکیں، تک رسائی کا طریقہ کار فراہم کرتے ہیں اور ان کے متعلقہ فورمز صوبائی اور وفاقی انفارمیشن کمیشن ہیں۔ سول سوسائٹی اور صحافیوں نے گزشتہ ایک دہائی کے دوران معلومات تک رسائی کے ان قوانین کا بھرپور اور حکمت عملی کے ساتھ استعمال کیا ہے اور حکام کو مجبور کیا ہے کہ وہ عوامی مفاد کی معلومات کو منظر عام پر لائے۔ یہ بدعنوانی کو بے نقاب کرنے، سرکاری اہلکاروں کے احتساب اور پالیسی میں تبدیلیوں کی وکالت کرنے کا ایک بامعنی طریقہ بن گیا ہے۔

B. عوامی خدمات کا حق:

خیبر پختونخوا عوامی خدمات کا حق ایکٹ 2014 شہریوں کو ضروری عوامی خدمات کی بروقت فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے نافذ کیا گیا۔ قانون یہ یقینی بناتا ہے کہ مخصوص عوامی خدمات ایک مقررہ مدت کے اندر فراہم کی جائیں۔ تعمیل کرنے میں ناکامی سرکاری اہلکاروں کے لیے جرمانے کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ قانون عوامی خدمات فراہم کرنے والے اداروں تک شہریوں کی رسائی کو بڑھانے کے لیے ای گورننس کے حل کو نافذ کرنے کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ یہ قانون دو سطحی شکایت کا طریقہ کار بھی فراہم کرتا ہے، جس میں ایک محکمانہ اپیلٹ اتھارٹی اور دوسرا خیبر پختونخوا رائٹ ٹو پبلک سروسز کمیشن شامل ہیں، جو شہریوں کو خدمات فراہم کرنے والوں ایسے اداروں یا افراد کے خلاف شکایت کرنے کے قابل بناتا ہے جو مقررہ وقت کی پابندی نہیں کرتے۔ یہ قانون پورے خیبر پختونخوا میں کام کرنے والے انفرادی کارکنان اور سول سوسائٹی گروپس حکمت عملی کے ساتھ اپیلٹ اتھارٹیز اور خیبر پختونخوا رائٹ ٹو پبلک سروسز کمیشنز کو سروس ڈیلیوری میں نظام کی ناکامیوں کو دور کرنے یا حکومت کو سروس ڈیلیوری کے معیار کو زیادہ مؤثر طریقے سے نافذ کرنے پر مجبور کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ اس طرح کے استعمال سے نہ صرف مقامی طرز حکمرانی میں بہتری آئے گی بلکہ سول سوسائٹی کے گروپوں کو بھی مدد ملے گی۔

C. پیرس کے اصولوں کے تحت قائم کردہ قانونی کمیشن:

پیرس کے اصول انسانی حقوق کے اداروں کے لیے بین الاقوامی معیار ہیں، جو انسانی حقوق کے تحفظ میں ان کی آزادی اور نفاذ کو یقینی بناتے ہیں۔ پاکستان نے پچھلی دہائی میں درج ذیل انسانی حقوق کے ادارے قائم کیے ہیں:

قومی کمیشن برائے انسانی حقوق	قومی کمیشن برائے وقارِ نسواں
قومی کمیشن برائے حقوقِ بچگان	پنجاب کمیشن برائے وقارِ نسواں
انسانی حقوق کمیشن سندھ	سندھ کمیشن برائے وقارِ نسواں
خیبر پختونخوا کمیشن برائے وقارِ نسواں	بلوچستان کمیشن برائے وقارِ نسواں
گلگت بلتستان کمیشن برائے وقارِ نسواں	

ان اداروں کو شکایات کی چھان بین کرنے، اقدامات کی سفارش کرنے اور اپنے دائرہ اختیار کے مطابق انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں آگہی پیدا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ پھر بھی، ان کی کارکردگی مالی خودمختاری کی کمی، سیاسی مداخلت، خاص طور پر کمیشنوں کے چیئرپرسنز یا ممبران کی تقرری میں تاخیر، اور پسماندہ طبقات کی ان تک رسائی کو درپیش چیلنجوں سے متاثر ہوتی ہے۔ ان چیلنجز کے باوجود، یہ کمیشن انسانی حقوق کے فروغ اور تحفظ کے لیے اپنے اقدامات کو تقویت دینے میں سول سوسائٹی کے اہم اتحادی سمجھے جاتے ہیں۔ ان کمیشنوں کے ساتھ فعال تعاون سماجی آزادی کو وسعت دینے کے لیے پائیدار ثابت ہو سکتا ہے۔

D. اصل دائرہ اختیار آئین کا آرٹیکل 184 اور آرٹیکل 199:

سپریم کورٹ اور صوبائی ہائی کورٹس آئین کے آرٹیکل 184(3) اور 199 کے تحت بنیادی حقوق کی خلاف ورزیوں اور شہری آزادیوں کے تحفظ سے متعلق معاملات کو حل کرنے کے لیے اصل دائرہ اختیار رکھتی ہیں، جو کہ سماجی آزادی کی حفاظت اور بحالی کے لیے ایک پلیٹ فارم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جیسا کہ پہلے زیرِ بحث آیا، ماضی میں سیاسی کارکنان اور سول سوسائٹی کے نمائندگان اس دائرہ اختیار کو استعمال کرتے رہے ہیں۔ شہریوں کو درپیش مسائل کے حل میں پائے جانے والے خلا کو حل کرنے والے کئی تاریخی فیصلے جن میں بنیادی حقوق، اقلیتی حقوق، رائے دہندگان کے حق رائے دہی اور ماحولیاتی مسائل کے تحفظ سمیت مفاد عامہ کے دیگر مسائل کا حل کے لیے قانونی چارہ جوئی کے نتیجے میں سامنے آیا ہے۔ اس دائرہ اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سول سوسائٹی سے وابستہ افراد عدالتی ریلیف حاصل کر سکتے ہیں اور قانونی نظیریں قائم کر سکتے ہیں جو شہری آزادیوں کے تحفظ کو تقویت دیتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر فوری طور پر شکایات کا ازالہ کرتا ہے اور طویل مدت میں سماجی آزادی کے دفاع اور اس میں اضافے کے لیے ایک زیادہ مضبوط قانونی فریم ورک کو فروغ دیتا ہے۔

E. دیگر عدالتی اور نیم عدالتی فورمز:

ضلعی عدالتیں، مختلف مسائل کے لیے مخصوص عدالتیں، اور نیم عدالتی فورمز، جو مختلف قوانین کے تحت قائم کیے گئے ہیں، مفاد عامہ کی قانونی چارہ جوئی کو آگے بڑھانے اور مخصوص مسائل کو حل کرنے کے لیے خصوصی میکانزم فراہم کر کے سماجی آزادی کو وسعت دینے کا ایک اور راستہ ہیں۔ بانڈڈ لیبر سسٹم (ابولیشن) ایکٹ 1992 کے تحت، ویجیلنس کمیٹیاں، مشقتی مزدوروں کی شناخت، رہائی اور بحالی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ کمیٹیاں، جو مقامی نمائندوں، ضلعی انتظامیہ کے اہلکاروں، اور این جی اوز کے نمائندوں پر مشتمل ہیں، قانون کے نفاذ کے بارے میں مشورہ دیتی ہیں اور اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ آزاد کیے گئے مزدوروں کو ضروری مدد اور بحالی کی خدمات حاصل ہوں۔ کمیٹیوں کے بھرپور فعال ہونے سے بانڈڈ لیبر کے طریقوں کو ختم کرنے کے لیے مفاد عامہ کی کامیاب قانونی چارہ جوئی (PILs) کا باعث بن سکتی ہے۔ ماحولیاتی ٹربیونلز اور مجسٹریٹس، جو 1997 کے ماحولیاتی تحفظ ایکٹ کے تحت قائم کیے گئے ہیں، ماحولیاتی شکایات کو دور کرنے اور ماحولیاتی قوانین کے نفاذ کے لیے ایک پلیٹ فارم فراہم کرتے ہیں۔ یہ ادارے شکایات سن سکتے ہیں، جرمانے نافذ کر سکتے ہیں، اور اصلاحی کارروائیوں کا حکم دے سکتے ہیں، جو انہیں ماحولیاتی تحفظ اور پائیدار ترقی پر مرکوز کامیاب قانونی چارہ جوئی کو عملی بنا سکتے ہیں۔ صارفین کے تحفظ کے لیے قائم مخصوص عدالتیں، جو کنزیومر پروٹیکشن ایکٹ کے تحت بنائی گئی ہیں، صارفین کو غیر منصفانہ تجارتی طریقوں، خراب اشیاء اور ناقص خدمات کے خلاف شکایات درج کرنے کے لیے ایک فورم پیش کرتی ہیں۔ شکایات کو دور کرنے اور صارفین کے حقوق کی تعمیل کو یقینی بنا کر، یہ عدالتیں عدالتی چارہ جوئی کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ کم از کم مزدوری کے معیارات کو نافذ کرنے کے لیے لیبر کورٹس کی درخواست کی جا سکتی ہے، جس میں کم از کم اجرت کی ادائیگی، پیشہ ورانہ اور صحت کی حفاظت کو یقینی بنانا، اور خواتین کارکنوں کے لیے علیحدہ واش روم وغیرہ فراہم کرنا شامل ہیں۔

سکڑتی ہوئی سماجی آزادی کے خلاف اجتماعی مزاحمت کے لیے کرنے کے کام:

سول سوسائٹی کی تنظیموں (CSOs) کو چاہیے کہ وہ ان کو درپیش چیلنجوں کا مقابلہ کرنے اور پاکستان میں سول سوسائٹی کے لیے سکڑتی ہوئی سماجی آزادی کا مؤثر طریقے سے مقابلہ کرنے کے لیے اجتماعی کوششیں کریں۔ یہاں چند سفارشات پیش کی جا رہی ہیں جو سول سوسائٹی کے اداروں کے لیے سماجی آزادی کے خلاف جدوجہد میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں

1. باقاعدگی سے منعقد ہونے والے اجلاسوں کے ذریعے ہم آہنگی کو فروغ دینا:

سول سوسائٹی کے گروپوں کو اپنی حکمت عملی اور ہم آہنگی کے لیے وقتاً فوقتاً آن لائن اور باقاعدہ اجلاس منعقد کرنے چاہئیں۔ یہ اجلاس سول سوسائٹی کے مختلف اداروں میں پائے جانے والے علم کے اشتراک، مقاصد کو ترتیب دینے اور مشترکہ حکمت عملی تیار کرنے کا پلیٹ فارم بن سکتے ہیں۔ اس طرح، سول سوسائٹی کے ادارے ریگولیٹری اور آپریشنل چیلنجوں کے لیے ایک مربوط ردعمل پیدا کر سکتے ہیں۔ ایک اجتماعی نقطہ نظر اصلاحات کی جدوجہد کرنے والے انفرادی سماجی اداروں کی استعداد کار میں اضافے کا باعث بنے گا۔

2. ریگولیٹری قوانین کی تعمیل اور آپریشنل خطرات سے نمٹنے کے لیے وسائل کی تقسیم:

تقریباً ایک دہائی قبل سول سائٹی کے اداروں کے لیے قواعد وضوابط اور تعمیل کے من مانی تقاضوں نے ان تنظیموں کو بغیر تیاری کے پکڑ لیا۔ عالمی اور قومی سطح کی تنظیموں کے مقابلے میں بین الاقوامی ڈونرز اور خیراتی اداروں کے فنڈز استعمال کرنے والے مقامی اور علاقائی سماجی اداراں کے آپریشنز کا پیمانہ محدود تھا۔ ان کی آپریشنل اور مالیاتی منصوبہ بندی میں اضافی ضروریات وابستہ اخراجات کا بجٹ موجود نہیں تھا۔ مستقبل میں ایسے کسی بھی جھٹکے سے بچنے اور ضروری اجازتوں کے حصول اور ریگولیٹری تقاضوں کی تعمیل کے لیے درکار خرچ کے لیے مخصوص فنڈز مختص کرنے کی ضرورت ہو گی۔ یہ مالیاتی منصوبہ بندی سماجی اداروں کو اس قابل بنائے گی کہ وہ اچانک جھٹکوں کو برداشت کر سکیں اور تعمیل کے مسائل سے بخوبی نمٹ سکیں۔ سماجی اداروں کو اپنے کاموں کے لیے ممکنہ خطرات سے نمٹنے کے لیے رسک مینجمنٹ کے منصوبے تیار کر کے ان پر عمل درآمد کرنا چاہیے۔ ان منصوبوں میں قانونی چیلنجوں، فنڈنگ کی کمی، اور دیگر آپریشنل خطرات سے نمٹنے کے لیے حکمت عملی شامل ہونی چاہیے۔ ان خطرات کو فعال طور پر سنبھال کر، تنظیمیں اپنی استعداد کار کو بڑھا سکتی ہیں اور تحقیق، وکالت، اور خدمات کی فراہمی کی کاموں میں تسلسل کو یقینی بنا سکتی ہیں۔

3. آگاہی اور معلومات کے تبادلے کو بڑھانا:

سول سوسائٹی کے نیٹ ورکس کے مابین تعاون، اور دوستی تیزی سے لین دین کی شکل اختیار کر رہی ہے۔ نام نہاد سول سوسائٹی کنسورشیا کے اندر علم کے تبادلے گرانٹ کے معاہدوں، کاموں کے دائرہ کار، اپ اسٹریم پارٹنرز کے اختتام پر مانیٹرنگ رپورٹس، اور شراکت داریوں پر عمل درآمد رپورٹس تک محدود ہو گئے ہیں۔ اس کے لیے تبدیلی کی ضرورت ہے، کیونکہ سول سوسائٹی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ منظم اور متحد رہے تاکہ بدلتے ہوئے ماحول کے لیے تیار رہا جا سکے۔ علمی خلا کو باقاعدگی سے جانچنے کے لیے ایک طریقہ کار کی ضرورت ہے۔ اس میں نئی پالیسیوں جیسے کہ ای اے ڈی کی این جی او پالیسی، پر تجزیے اور بریفنگز شامل ہیں۔ وسیع پیمانے پر کام کرنے والے اور معلومات کے رازدار شراکت دار ان معلومات کو دوسری تنظیموں تک پہنچانے میں اپنا کردار ادا سکتے ہیں۔ ریگولیٹری تبدیلیوں کی آگہی اور تشریحات کے باہمی اشتراک سے، سول سائٹی ادارے پیچیدہ منظرنامے سے بہتر طریقے سے نمٹ سکتے ہیں اور نئے چیلنجوں کا فعال طور پر جواب دے سکتے ہیں۔

4. اکنامک افیئرز ڈویژن کے عہدیداروں اور دیگر اسٹیک ہولڈرز کی تربیت:

صوابدیدی پابندیاں اور تقاضے بتدریج قانون سازی اور ریگولیٹری دفعات کی شکل میں رسمی شکل اختیار کر رہے ہیں، جو حکومت کی طرف سے سول سوسائٹی کے کردار کے بارے میں بہتر احساس کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کی تکمیل ریگولیٹرز، جیسے کہ ای اے ڈی حکام اور دیگر متعلقہ اسٹیک ہولڈرز پر مرکوز تربیتی پروگراموں کے ساتھ کی جانی چاہیے، تاکہ سول سوسائٹی کی کارروائیوں اور ضوابط کے اثرات کے بارے میں زیادہ باخبر تفہیم پیدا کی جا سکے۔ یہ پروگرام ریگولیٹری اتھارٹیز اور سول سوسائٹی کے درمیان خلیج کو ختم کرنے میں مدد کر سکتے ہیں اور اس طرح زیادہ شفاف اور معاون تعاملات کو فروغ پا سکتے ہیں۔ ان تربیتی ورکشاپس سے اہلکاروں کی پالیسیوں کو منصفانہ اور باخبر طریقے سے نافذ کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہو گا، اس طرح ریگولیٹری طریقوں کی خلاف ورزی کی نوعیت کو کم کیا جا سکے گا۔

5. دوستانہ مالیاتی اداروں کی شناخت کے لیے مربوط کوششیں:

سول سوسائٹی کے شراکت داروں کے درمیان مربوط کوششیں ان بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے میں مدد کر سکتی ہیں جو سول سوسائٹی کے اداروں کے لیے زیادہ معاون ہوں۔ ان نسبتاً دوستانہ اداروں کو تلاش کرنے اور ان کی مدد کرنے کے لیے مل کر کام کرنے سے، یہ تنظیمیں سخت مالیاتی ضوابط کے اثرات کو کم کر سکتی ہیں یہ ہم آہنگی مالی لین دین کے لیے بہتر شرائط وضوابط پر بات چیت میں بھی مدد کر سکتی ہے۔

6. ایڈووکیسی اور لابنگ کی کوششوں کو مضبوط بنائیں:

سول سوسائٹی کی تنظیموں کو پالیسی کی تبدیلیوں پر اثرانداز ہونے اور اپنی آپریشنل ساکھ کو برقرار رکھنے کے لیے مربوط وکالت اور لابنگ کی کوششیں کرنی چاہییں۔ سول سوسائٹی کا ایک متحد محاذ زیادہ مؤثر طریقے سے پابندیوں کو چیلنج کر سکتا ہے اور قانون سازی میں اصلاحات کے لیے زور دے سکتا ہے۔ ہم خیال تنظیموں، قانونی ماہرین، اور انسانی حقوق کے حامیوں کے ساتھ اتحاد بنانے سے ان کی ایڈووکیسی کی مہموں کو تقویت ملے گی اور ان کی کامیابی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔